



بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورة البقرة

(۹)

(گزشتہ سے پیوستہ)

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْل اذْكُرُوْا نِعْمَتِی الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِیْ

اے ۹۷ بنی اسرائیل، ۹۸ میری اُس نعمت ۹۹ کو یاد کرو۔ جو میں نے تم پر کی تھی ۱۰۰ اور میرے

۹۷۔ سورہ کی تمہید ختم ہوئی۔ اب یہاں سے اصل خطاب شروع ہوتا ہے۔ اس میں پہلے یہود کو اُن کی وہ ذمہ داریاں یاد دلائی گئی ہیں جو تورات کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے متعلق اُن پر عائد ہوتی تھیں۔ اس کے بعد اس سلسلہ بیان کے آخر تک اُن کی وہ فرد قرار دادِ جرم بیان ہوئی ہے جس کی بنا پر انھیں شہادتِ حق کے منصب سے معزول کیا گیا۔

۹۸۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی وہی ہیں جو عربی زبان میں لفظ 'عبد اللہ' کے ہیں۔

۹۹۔ نعمت سے مراد یہاں نبوت، شریعت، خدا کی زمین پر بادشاہی اور منصبِ شہادت کی وہ نعمت ہے جس

کا ذکر اسی سورہ کی آیت ۷ اور اس کے بعد سورہ مائدہ (۵) کی آیات ۷ اور ۲۰ میں ہوا ہے۔

۱۰۰۔ یاد کرو، تم نے ان حقائق کو فراموش کر دیا ہے۔

۱۰۱۔ میری نعمت، اور جو میں نے تم پر کی تھی، کے الفاظ یہود کو اُن کی اس حماقت پر متنبہ کرنے کے لیے آئے ہیں کہ وہ اس نعمت کو اپنے پروردگار کی عنایت سمجھنے کے بجائے، اسے اپنے ذاتی اور خاندانی استحقاق کا ثمرہ

أَوْفِ بِعَهْدِكُمْ^{۱۰۲} وَيَا أَيُّهَا فَارَهُبُونَ ﴿۱۰۳﴾ وَأَمِنُوا بِمَا أُنزِلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ^{۱۰۴} وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَتِي ثَمَنًا قَلِيلًا^{۱۰۵}

عہد^{۱۰۲} کو پورا کرو، میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا، اور مجھی سے ڈرتے رہو،^{۱۰۳} اور اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو میں نے اُس چیز کی تصدیق میں اتارا ہے جو تمہارے پاس ہے،^{۱۰۴} اور سب سے پہلے تم ہی اس کے منکر نہ بن جاؤ،^{۱۰۵} اور تھوڑی قیمت کے عوض میری آیتیں نہ بیچو،^{۱۰۶}

سمجھتے تھے۔

۱۰۲۔ یعنی میرا وہ عہد جو میں نے تم سے اپنی شریعت کی پابندی اور اپنے آخری پیغمبر پر ایمان کے بارے میں لیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اس عہد کا ذکر کتابِ استثنا کے باب ۱۸ میں اس طرح ہوا ہے:

”خداوند تیرا خدا تیرے لیے، تیرے ہی درمیان سے، یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک

نبی برپا کرے گا، تم اس کی سننا میں ان کے لیے انھی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا، وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی

میری ان باتوں کو، جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا، نہ سنے تو میں ان کا حساب اُس سے لوں گا۔“ (۱۵-۱۸)

۱۰۳۔ اصل الفاظ ہیں: ’وایای فارہبون‘۔ ’رہبہ‘ کا لفظ لرزش اور کچکچی کی اُس حالت کے لیے آتا ہے جو کسی کی عظمت و جلالت کے تصور سے آدمی کے دل پر طاری ہوتی ہے۔ اس جملے میں مفعول مقدم بھی ہے اور فعل کے بعد اسے دہرایا بھی گیا ہے۔ اسی طرح فعل پر حرف ’ف‘ بھی آیا ہے۔ عربیت کی رو سے جملے کی تالیف میں یہ سب چیزیں اہتمام و اختصاص پر دلیل ہیں۔ ’پس صرف مجھی سے ڈرو۔‘ مطلب یہ ہے کہ تمام مصلحتوں اور اندیشوں سے قطع نظر کر کے تم پر صرف میری ہی عظمت و جلالت کا غلبہ ہونا چاہیے اور تمہیں صرف مجھی سے ڈرنا چاہیے۔

۱۰۴۔ یعنی آخری پیغمبر کے بارے میں تورات کی وہ پیشین گوئی جو یہود کے پاس تھی اور جسے قرآن نے سچی ثابت کر دیا اور اس طرح یہ بات بھی ثابت کر دی کہ تورات فی الواقع اللہ پروردگارِ عالم ہی کی اتاری ہوئی

کتاب ہے۔ ’مصدقاً لما معکم‘ کے جو الفاظ اصل میں آئے ہیں، ان کا صحیح مفہوم یہی ہے۔

۱۰۵۔ اصل میں ’ولا تکنونوا اول کافر بہ‘ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان میں ’افعل‘ کا

وَاَيَّايَ فَاتَّقَوْنَ ﴿٣١﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَانْتُمْ

اور میرے ہی غضب سے بچو^{۱۰۷} اور حق کو باطل میں نہ ملاؤ،^{۱۰۸} اور نہ جانتے بوجھتے حق کو چھپانے

مضاف الیہ مفرد ہے، اس لیے یہ تمیز کے مفہوم میں ہے۔ اس کی جگہ اگر ’اول الکافرین‘ کا اسلوب اختیار کیا جاتا تو اس کے معنی یہ ہو جاتے کہ منکروں میں تم سب سے پہلے لوگ نہ بنو۔ ’اول کافر‘ کے اسلوب میں یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اُن کے علاوہ کوئی دوسرے منکر بھی پائے جاتے ہیں یا نہیں۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ یثرب کی اس سر زمین میں تمہیں اس کتاب کے لیے پہلے مومن ہونا چاہیے تھانہ کہ سب سے پہلے منکر، لیکن افسوس ہے کہ تم نے یہی دوسری صورت اپنے لیے پسند کی ہے۔ اس لیے اب بھی سنبھل جاؤ اور سب سے پہلے اس کتاب کے منکر نہ بنو۔

۱۰۶۔ یعنی اپنے دنیوی مفادات کی خاطر خدا سے باندھے ہوئے سب عہد و پیمان مٹی میں نہ ملاؤ اور تورات کے احکام و ہدایات کو ان مفادات پر قربان نہ کرو۔ آیت میں تھوڑی قیمت کے عوض نہ بیچنے کے جو الفاظ آئے ہیں، ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر زیادہ قیمت مل جائے تو بیچ سکتے ہو۔ اس میں نہی کا تعلق اصل فعل سے ہے اور تھوڑی قیمت کے الفاظ اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ دین فروشی کا یہ کاروبار نہایت ذلیل طریقے سے ہو رہا ہے، اس لیے کہ اللہ کی آیتوں کے مقابلے میں اگر دنیا کے سارے خزانے بھی حاصل ہو جائیں تو وہ ایک متاع حقیر ہی ہیں۔ جملے میں اس طرح کی قیود سے کسی چیز کی شاعت کو واضح کرنے کا یہ اسلوب ہماری زبان میں بھی عام ہے۔

۱۰۷۔ ’ایای فارہبون‘ ہی کے طریقے پر یہاں اصل الفاظ ہیں: ’ایای فاتقون‘۔ یعنی اصل ڈرنے کی چیز میرا غضب ہی ہے۔ مجھے ہر حال میں نرم نہ سمجھو۔ میرا غضب جب نازل ہوتا ہے تو اس وقت کوئی نہیں ہوتا جو اس سے چھڑانے کے لیے کھڑا ہو سکے۔ یہاں اور اس سے آگے کی ایک آیت میں ’رہبہ..‘^{۱۰۹} تقویٰ اور ’خشوع‘ کے جو الفاظ آئے ہیں، استاد امام امین احسن اصلاحی ان کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

”(یہ) سب ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں۔ کسی کی عظمت و جلال کے تصور سے دل پر جو لرزش

اور کپکپی طاری ہوتی ہے، وہ رہبت ہے۔ اس لرزش اور کپکپی سے صاحبِ عظمت و جلال کے لیے دل میں جو

عجز و فروتنی اور پستی و نیاز مندی کی حالت پیدا ہوتی ہے اور طبعیت میں بے نیازی کی جگہ فقر کا اور غم و غصہ کی جگہ خابت کا جو احساس ابھرتا ہے، وہ خشوع ہے۔ اسی طرح اس صاحبِ عظمت و جلال کے فہم و غضب سے

تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿٢٣﴾
 أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا

کی کوشش کرو،^{۱۰۹} اور نماز کا اہتمام کرو اور زکوٰۃ ادا کرو،^{۱۱۰} اور ان جھکنے والوں کے ساتھ تم بھی (خدا کے حضور میں) جھک جاؤ۔^{۱۱۱} کیا تم لوگوں کو نیکی^{۱۱۲} کی تلقین کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے

بچنے، اس کے مقرر کردہ حدود کی مخالفت سے احتراز اور اس کے احکام و آیات کی خلاف ورزی سے اجتناب و احتیاط کی جو بے چینی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے اور جو خلوت و جلوت ہر جگہ آدمی کو بیدار اور چوکنا رکھتی ہے وہ تقویٰ ہے۔“ (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۸۲)

۱۰۸۔ یہ اشارہ ہے اُن تصرفات کی طرف جو یہود نے تورات میں کر ڈالے تھے اور جن سے ان حقائق پر پردہ ڈالنا مقصود تھا جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قربانی، ان کی قربان گاہ اور ان کے قبلہ کا تعلق سرزمین عرب سے ثابت کرتے اور یہود کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق ایک قطعی حجت کی حیثیت رکھتے تھے۔
 ۱۰۹۔ اصل الفاظ ہیں: ”وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ“۔ یہ پچھلے جملے پر عطف ہے، لیکن اس میں حرف ”لا“ کا اعادہ نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی حقیقت کا بیان ہیں۔ یہود نے حق کو باطل میں ملانے کی جو کوشش کی، اس کا مقصود یہی کتمانِ حق تھا۔ وہ حق کو باطل میں اسی لیے ملاتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تورات کی پیشین گوئیوں کو غلط ملط کر کے لوگوں کو غلط فہمی میں ڈال دیں۔

۱۱۰۔ نماز اور زکوٰۃ سے یہود پوری طرح واقف تھے۔ وہ اگرچہ انھیں عملاً ترک کر چکے تھے، لیکن یہ اُن کے لیے کوئی اجنبی چیزیں نہ تھیں۔ خدا کی ہر شریعت میں انھیں بنیادی احکام کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ قرآن کے سب مخاطبین انھیں جانتے تھے۔ چنانچہ ان کی ہیئت اور شرح و نصاب وغیرہ کے بارے میں کسی تفصیل کی ضرورت نہ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ابتدا نہیں کی۔ یہ پہلے سے جاری سنن تھیں جنہیں آپ نے قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق تجدید و اصلاح کے بعد اپنی امت میں قائم رکھا ہے۔ یہاں ان کا ذکر اس لیے ہوا ہے کہ ان آیات میں یہود کو اسلام کی دعوت دی گئی ہے اور قرآن اس معاملے میں بالکل صریح ہے کہ ان دونوں

کے بغیر کسی شخص کا اسلام نہ دیا جاتا ہے اور نہ آخرت میں۔
 ۱۱۱۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جو بندے آج اللہ کی بندگی کی دعوت لے کر اٹھے ہیں اور مسجدوں میں شب و

تَعْقِلُونَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۖ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى

ہو، دراصل حالیکہ تم کتابِ الہی کی تلاوت کرتے ہو؟^{۱۱۳} کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ اور (اس راہ پر چلنے کے لیے) صبر^{۱۱۴} اور نماز کے ذریعے سے (اللہ کی) مدد چاہو،^{۱۱۵} اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ سب بہت

روز نماز کی صورت میں یہ بندگی کر رہے ہیں، تم بھی اس بندگی میں ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ 'وارکعوا مع الرکعین' کے جو الفاظ اصل میں آئے ہیں، یہ نماز ہی کی تعبیر ہیں۔ نماز کے اجزائاً مثلاً قیام اور سجدہ وغیرہ کے الفاظ سے نماز کی تعبیر قرآن میں بعض دوسرے مقامات پر بھی کی گئی ہے۔ تمرّد اور سرکشی کو چھوڑ کر قبولِ حق کی دعوت کا یہ اسلوب کہ 'اٹھو اور ان جھکنے والوں کے ساتھ تم بھی خدا کے حضور میں جھک جاؤ'، اگر غور کیجیے تو نہایت بلیغ اسلوب ہے۔

۱۱۲۔ اصل میں لفظ 'البر' استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں یہ وفاداری، ایفائے عہد اور ادائے حقوق کے معنی میں آتا ہے۔ نیکی اور احسان کی تمام قسموں کے لیے یہ قرآن کی ایک جامع تعبیر ہے۔
۱۱۳۔ اس سے واضح ہے کہ ان آیات کے مخاطب اصلاً یہود کے عوام نہیں، بلکہ اُن کے علما اور اکابر ہیں۔ سیدنا مسیح علیہ السلام نے بھی اُن کی یہ حالت اسی طرح بیان فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

”اے شرع کے عالمو، تم پر بھی افسوس ہے کہ تم ایسے بوجھ جن کا اٹھانا مشکل ہے، آدمیوں پر لادتے ہو

اور آپ ایک انگلی بھی ان بوجھوں کو نہیں لگاتے۔“ (لوقا باب ۱۱، آیت ۴۷)

۱۱۴۔ 'صبر' کا لفظ عربی زبان میں اپنے آپ کو گھبراہٹ، پریشانی اور مایوسی سے بچا کر اپنے موقف پر قائم رکھنے کے معنی میں آتا ہے۔ بندہ جب پورے اطمینانِ قلب کے ساتھ ہر مشکل میں اپنے پروردگار سے وابستہ اور اپنے موقف پر ڈٹا رہے تو قرآن کی اصطلاح میں یہ 'صبر' ہے۔ قرآن نے اسی سورہ کی آیت ۷۷ میں اس کے تین مواقع ذکر کیے ہیں: غربت، بیماری اور جنگ۔ غور کیجیے تو تمام مصیبتوں کے سرچشمے یہی تین ہیں۔ آدمی اگر ان میں متزلزل نہ ہو تو بے شک، وہ صابرین میں سے ہے۔

۱۱۵۔ راہِ حق کو اختیار کرنے اور اُس پر قائم رہنے کے لیے یہ قرآن کا بتایا ہوا طریقہ ہے۔ اللہ کی مدد کے بغیر

کوئی شخص نہ اس راہ کو اختیار کر سکتا ہے اور نہ اس پر قائم رہ سکتا ہے، اور اللہ کی مدد صرف صبر اور نماز ہی کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔ آدمی اگر ثابت قدمی کے ساتھ چلنے کا عزم کر لے اور نماز کا اہتمام رکھے تو اس عزم

الْخَشِيعِينَ ﴿٢٥﴾ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رُجْعُونَ ﴿٢٦﴾

بھاری ہے،^{۱۶} مگر اُن کے لیے بھاری نہیں ہے جو خدا سے ڈرنے والے ہیں،^{۱۷} جنھیں خیال^{۱۸} ہے کہ اُنھیں اپنے پروردگار سے ملنا ہے^{۱۹} اور (ایک دن) اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔^{۲۰} ۴۶-۴۰

کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے کسی مشکل سے مشکل صورت حال میں بھی اول تو اس کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہیں ہوتی اور اگر حالات کی نزاکت سے کسی وقت پیدا ہو جائے تو اس کا پروردگار خود آگے بڑھ کر اسے سنبھال لیتا ہے۔

۱۱۶۔ اصل الفاظ ہیں: 'وانھا لکبیرۃ'۔ ان میں 'ھا' کا مرجع، ہمارے نزدیک وہ سب باتیں ہیں جو اسی فصل میں بنی اسرائیل سے کہی گئی ہیں۔ عربی زبان میں اس طرح کے مواقع پر بالعموم ضمیر مونث ہی آتی ہے۔

۱۱۷۔ اصل میں 'الا الخشيعين' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قومی اور نسلی غرور کو چھوڑ کر حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا اگرچہ آسان نہیں ہے، لیکن آدمی میں خدا کی عظمت و جلالت کا احساس ہو، وہ اس کے سامنے عاجز و فروتنی اور پستی و نیاز مندی کے جذبات رکھتا ہو، اس کے نفس میں اخبات ہو اور وہ خدا کے مقابلے میں اپنے فقر و احتیاج کو سمجھتا ہو تو یہ چیز بہت سہل ہو جاتی ہے۔

۱۱۸۔ اصل میں لفظ 'يظنون' آیا ہے۔ عربی زبان میں یہ جس طرح یقین کے مقابلے میں گمان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اسی طرح کسی چیز کا خیال ہونے اور اس کا اندیشہ رکھنے کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ اس دوسرے معنی میں اس کے ساتھ شک کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

۱۱۹۔ اللہ سے ڈرنے والوں کی تعریف میں یہ بات اُن کے باطن کو نمایاں کرتی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اگر خدا سے ڈرتے ہیں تو اسی وجہ سے ڈرتے ہیں کہ آخرت میں خدا کے سامنے حاضری کا اندیشہ رکھتے ہیں۔

۱۲۰۔ یعنی وہ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد انھیں اسی ایک پروردگار کے سامنے پیش ہونا ہے جو روز جزا کا تہا مالک ہے، جس کے فیصلوں پر وہاں کوئی اثر انداز نہ ہو سکے گا، جس کے غضب سے اگر پناہ ملے گی تو اسی کے دامن میں ملے گی۔ انھیں احساس ہے کہ اُن کا ہر قدم در حقیقت اسی کی طرف اٹھتا ہے۔ وہ یہاں بھی اُسی کے ہیں اور وہاں بھی اُسی کے ہوں گے۔ کوئی دوسرا کہیں بھی اُن کے کام نہ آ سکے گا۔

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

[باقی]